رفیق سندیلوی بہ طور نظم گو

Rafique Sandelvi: A Rich Legacy in Urdu Poems

Dr. Khizra Tabassum
Assistant Professor of Urdu, Lahore College for Women University Lahore
khizraatabassum@gmail.com

Dr. Qadeer Anjum Bajwa
Assistant Professor of Urdu, Lahore College for Women University Lahore
anjumbajwaa@gmail.com

Abstract:
Over the past few decades, the destruction of natural beauty due to mechanical and industrial development and the use of technology, the resistance attitude of the poet to the problems of the third World and imperialist powers has affected other genres and has also led to various changes in the landscape of poetry. Rafiq Sandelvi has a distinguished position in the contemporary landscape of Urdu poetry due to his unique style. He does not directly write about politics and society, but rather conveys themes through metaphor and symbolism. Rafiq Sandelvi, s specialty is to present the real thing as a mysterious reality. The lyricism, imagery, style and diversity in the meanings of his poems show that he is aware of the present era but at the same time is also connected to his civilization. In this context his poems can be called a combination of ancient and modern civilization.

Keywords:
Decades, Resistance, Genres, imperialist powers, contemporary landscape, Metaphor, symbolism, Lyricism, imagery, civilization

۱۹۶۰ء کے بعد لکھی گئی نئی نظم کا اختصاص یہ ہے کہ اس سے وابستہ شعرانے علامتی طرز کو پیرائیہ اظہار بنایا لیکن نئی نظم کی تحریک نے صحیح معنوں میں ۱۹۷۰ء کے بعد تقویت حاصل کی۔ ستر کی دہائی کے بعد اُبھرنے والے شعرانے نئی نظم کے اسلوبیاتی اور فکری تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے نظم میں نئے تجربات کیے۔ اہم بات یہ ہے کہ ان شعرانے کسی ادبی تحریک یا کسی مخصوص رجحان سے وابستگی ظاہر کیے بغیر صرف اپنی شاعری کی بدولت ادب میں اور خاص طور پر نظم کے سرمایے میں گراں قدر اضافے کیے۔

گزشتہ چند دہائیوں سے ملکی سطح پر ہونے والی متنوع تبدیلیوں سے اندرونی اور بین الاقوامی منظر نامے پر سیاست، معاشرت اور معاش غرض ہر شعبہ ہائے زندگی پر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ مشینی و صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے استعمال سے فطری حسن کی تباہی، تیسری دنیا کے مسائل اور سامراجی طاقتوں کے سامنے کم مائیگی کا مزاحمتی رویہ جہاں دیگر اصناف کو متاثر کرتا ہے وہیں نظم کے منظر نامے پر بھی متنوع تبدیلیاں پیدا کرنے کا باعث بنا ہے۔ ایسے حالات میں چند ایک شعرا عصری حسیت پر لکھنے کے ساتھ ساتھ متعلقاتِ انسان کو بھی موضوع بناتے ہیں انھی شعرا میں ایک معتبر نام رفیق سندیلوی کا ہے۔

اردو نظم کے معاصر منظر نامے پر رفیق سندیلوی اپنے منفرد اسلوب کی بدولت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں تمثال اور علامت کے ذریعے موضوعات کی ترسیل نظر آتی ہے۔ وہ سیاست، سماج اور معاشرت پر براہِ راست قلم نہیں

اُٹھاتے بلکہ مختلف علامتوں، کرداروں اور حیوانی تماثیل کے ذریعے اظہار کرتے ہیں۔ وہ زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات کو اپنی نظموں کا موضوع بناتے ہیں لیکن ان نظموں کی جزئیات نگاری، منظر کشی اور جذبات نگاری میں اس قدر پختگی ہوتی ہے کہ انھیں سرسری نظر سے پڑھا ہی نہیں جا سکتا۔ ایک منجھے ہوئے تخلیقی شاعر کی حیثیت سے اُنھوں نے اپنا پیرائیہ اظہار خود وضع کیا ہے۔

رفیق سندیلوی قومی اور بین الاقوامی واقعات کو موضوع بنانے کی بجائے انسان اور انسان کے دائرہ کار کی فکری توضیحات کرتے ہیں ان کی نظم صحیح معنوں میں "نظم" کے متعین کردہ معیار کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے مجموعے کی پہلی نظم "غار میں بیٹھا شخص" کے عنوان سے ہے۔ اس نظم کا ہر لفظ موزونیت کی عمدہ مثال ہے۔ ان کے ہاں قافیوں کا داخلی نظام بھی منفرد رنگ لیے ہوئے ہے۔ نظم کے چند مصرعے دیکھیے:

چاند ستارے

جھیل کی تہہ میں ڈوبتے چاند کا عکس

ڈھول کی وحشی تال پہ ہوتا

نیم برہنہ رقص!

کیسے کیسے منظر دیکھے

ایک کروڑ برس پہلے کے

غار میں بیٹھا شخص!! (۱)

نظم موضوعاتی حوالے سے تو انفرادیت کی حامل نہیں لیکن ڈکشن عمدہ ہے۔ مذکورہ نظم میں کوئی لفظ بھی غیر مانوس یا اضافی محسوس نہیں ہوتا۔ ان کی نظمیں داخل سے خارج کی طرف سفر کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ بہت عمدہ اور بامعنی مناظر تراشتے ہیں۔ بظاہر نظم "غار میں بیٹھے شخص" تک محدود نظر آتی ہے لیکن درپردہ صدیوں کی مسافت پر مبنی کہانی بنی گئی ہے۔

اس نظم کا مرکزی کردار صدیوں سے اس غار میں بیٹھا ہے اور موجودہ دور کے رنگوں اور رعنائیوں کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ وہ اپنے تخیل کی آنکھ سے ہر چیز کا نظارہ کر سکتا ہے زمان و مکان کی حدود اس کے لیے بے معنی ہیں۔ نہ صرف زمین پر موجود پھول پتے بلکہ آسمان کی وسعتیں بھی اس کی مشاہداتی آنکھ سے دور نہیں۔ مذکورہ نظم میں مرکزی کردار نہایت خوب صورت علامتوں کے ساتھ صدیوں کا فاصلہ انسانی آنکھ اور وجدان کی بدولت طے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس نظم میں وقت کو بطور علامت استعمال کیا گیا ہے اور غار میں بیٹھا شخص اپنے وجدانی کشف کی بدولت زمانے کی رفتار کو اپنی طلسماتی آنکھ سے دیکھ رہا ہے نظم کا موضوع بظاہر منفرد یا اچھوتا نہیں ہے لیکن آغاز سے اختتام تک نظم ارتقائی اور جادوئی عمل سے گزرتی ہے اور شاعر کی تخیل آمیزی اس نظم کو خاص بنا دیتی ہے۔

رفیق سندیلوی کی نظم میں ایک خاص ردھم اور آہنگ ہے نہ صرف نظمیں بل کہ نظموں کے عنوانات بھی ایک خاص ردھم لیے ہوئے ہیں۔ غنائیت، امیجری، اسلوب اور نظموں کے مفاہیم میں تنوع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہد حاضر کا

ادراک رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی تہذیب سے بھی وابستہ ہیں۔ رفیق سندیلوی کے ہاں لفظوں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ وہ لفظیات کو موقع محل کے مطابق نظم کے کرافٹ میں سمونے کے فن سے آشنا ہیں۔

نظم "تندور والا" میں تندور تخلیق کی علامت ہے۔ ہمارے ہاں تندور، تندور والے کے لیے رزق کے وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے تندور والے کے لیے زمانے کے پھولوں سے زیادہ روٹیوں کے پھولوں کی اہمیت ہوتی ہے اس کے لیے طباقوں میں گندھا آٹا اور پیڑے اہم ہیں نہ کہ دنیا کی رونقیں۔ اس کے خیال میں تندور کی آگ جہنم نہیں بلکہ زندگی کی علامت ہے:

سنو، یہ جہنم نہیں ہے
دہکتے ہوئے سرخ شعلوں کی لو
تیز گہری حرارت
ان مدوّر کناروں سے اٹھتی ہوئی
بھاپ میں زندگی ہے۔ (۲)

رفیق سندیلوی اپنی نظم میں اساطیری فضا سے قاری میں تجسّس کا مادہ تخلیق کرنا بخوبی جانتے ہیں وہ اپنی نظموں میں اُڑن طشتریوں، پروں والے گھوڑوں، پریوں، دیومالا اور چڑیلوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اساطیری اور مافوق الفطرت فضا ان کی نظموں میں جادوئی روح پھونکنے کا اصل سبب ہے۔ ان کی نظموں میں علامت وسیع تر مفہوم میں سامنے آتی ہے۔ "سواری اونٹ کی ہے" میں عورت کا کردار سماج کی علامت ہے جبکہ اونٹ پر سواری کرنے والا سماج کو سدھارنے اور مثبت انقلاب لانے کا خواہش مند ہے۔ وہ دعوے اور وعدے تو کر سکتا ہے مگر انھیں وفا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا اور سوار یہ اعتراف کرتا ہے کہ آزمائش کڑی ہے۔

اُونٹ کا سوار اپنی محبوبہ کو تلاش کرنے کی بجائے فقط معذرت پر ہی اکتفا کرلیتا ہے یعنی سماج کو سدھارنے کی بجائے اُسی فرسودہ اور کہن سالہ نظام کا حصّہ بن جاتا ہے جس میں تبدیلی لانا اس کے بس کی بات نہیں۔

ستیہ پال آنند نے اس نظم سے متعلق یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

"یہ نظم عہد حاضر کے قاری کے لیے نامانوس نہیں وہ بچپن میں سنی ہوئی کہانیاں، تاریخ و ثقافت کے رشتے سے استواری اور اردو فارسی، عربی کی ادبی روایت سے انسلاک کی بنا پر اس نظم کو مانوس پاتا ہے۔ "(۳)

رفیق سندیلوی کی نظموں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی نظموں کی فکری و موضوعاتی ترسیل کے لیے امیجز کا سہارا لیتے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے مناظر کو مختصر سٹینزا کی مدد سے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ نظم "یہ سجیلی مورتی" دلکش اسلوب کی حامل نظم ہے۔ اس نظم میں تمثال کاری اور اساطیری فضا کو ہموار کر کے فن کارانہ چابکدستی سے ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ اگر اس نظم کا اساطیری حوالے سے جائزہ لیا جائے تو عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے ملاپ سے نمودِ حیات آدمؑ کی پیدائش و ارتقا اس نظم کا مرکزی موضوع ہے۔

یہ نظم بدھ مت اور برصغیر کی تہذیبی فضا کی عکاسی کرتی ہے علاوہ ازیں اس نظم میں فنونِ لطیفہ اور عمرانیاتی ارتقا کی تاریخ بھی پیش کی گئی ہے۔ رفیق سندیلوی کی نظموں کی فضا مجموعی اعتبار سے یاسیت اور اضمحلال سے عبارت ہے لیکن اس

کے باوجود وہ پُر امید دکھائی دیتے ہیں۔ نظم "پانی کا سرمایہ" انسانی جدوجہد سے عبارت ہے کہ انسان اپنی محنت اور تدبیر سے تیرگی کو روشنی میں بدل سکتا ہے۔ نظم کا مرکزی کردار جب صبح اُٹھتا ہے تو پانی کا نلکا خشک پاتا ہے۔ وہ ہتھی چلاتا رہتا ہے لیکن پانی نہیں آتا وہ بیٹے ہوئے دنوں کو یاد کرتا ہے جب پانی کی فراوانی تھی۔ لمحہ موجود میں پانی کی غیر موجودگی اُسے تدبیر پر اُکساتی ہے اور وہ نااُمیدی کا دامن چھوڑ کر تدبیر کی کوشش کرتا ہے وہ تھوڑا سا پانی نلکے کے اُوپر ڈالتا ہے تو پانی لوٹ آتا ہے۔ نظم کے اختتام پر شاعر اُمید افزا پیغام دیتا ہے۔

نیا پانی کہیں سے لا کے
نلکے میں اُنڈیلا
تو وہ پانی نیچے جا کے
مسکرا کے
تہ کے پانی سے ملا اور اُس کو اوپر کھینچ لایا
زندگی میں
ختم ہو سکتا نہیں
پانی کا سرمایہ!!(۴)

رفیق سندیلوی اپنی نظموں میں حیوانی تمثیلات کا استعمال بھی کرتے ہیں نظم "لال بیگ اُڑ گیا" میں بھی حیوانی تمثیل کے ذریعے انسان کی زندگی کے مختلف مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔ انسان اپنی روحانی قوتوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے سفلی قوتوں کے زیر اثر گندگی اور آلودگی کا مسافر بن جاتا ہے لیکن وہ ایک لمحہ جس میں اُسے اپنی ذات کا ادراک ہوتا ہے اس اعتبار سے اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اس ایک لمحے کی زد میں آ کر وہ اس لتھڑی ہوئی زندگی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے لیکن لال بیگ کی طرح انسان کی زندگی میں بھی یہ لمحہ کم کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ فیاض احمد وجیہہ اس نظم کے متعلق لکھتے ہیں:

"لال بیگ اس نظم میں سماجیاتی فلسفہ کا نمائندہ ہے۔۔۔۔ لال بیگ کو حیاتیات کی رو سے ایک مخصوص مفہوم میں اس تھیلی کا نام دیا جا سکتا ہے جو Blood Circulation یعنی زندگی اور اس کی نمو کو ممکن بناتے ہیں اس طرح نظم غذا اور تغذیہ کے بنیادی مباحث سے طلوع ہو کر Cells اور ان کے functions کا احاطہ بھی کر لیتی ہے طعام گاہوں کی بچی کچھی غذا کے تصور میں ہماری نگاہ اس خلیہ کی طرف یقیناً جاتی ہے جو وجود کو بھوک کی حالت میں بھی زندہ رکھنے کا کام کرتی ہے۔۔۔۔ سائنس کی رو سے دیکھیے تو حیات اپنے اصولوں پر گامزن ہے لیکن اس میں ایک نئی جست یہ ہے کہ لال بیگ اب موذی مرض کا لتھڑا ہے اس کا وقت قریب آن پہنچا ہے اور اچانک اس کو آزادی مل گئی ہے"(۵)

اسی نوعیت کی دیگر نظموں سے شاعر کی نظم نگاری کے جوہر کھلتے ہیں۔ اسی طرح ان کی نظم "وہی مخدوش حالت" بھی علامتی نظم ہے۔ ۱۸ کروڑ بھیڑیں در حقیقت ہمارے ملک کے لوگ ہیں جنہیں طاقت ور طبقہ اپنی طاقت کے زور پر ڈراتا اور دھمکاتا رہتا ہے۔ ان کی محنت کا پھل دوسرے کھاتے ہیں ان کا گوشت بر سرِ اقتدار لوگوں کے استعمال میں رہتا ہے حتیٰ کہ ان کی کھال کو جوتے کی شکل میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ اس نظم میں بھیڑ عام انسان (مظلوم طبقے) کی علامت ہے۔

رفیق سندیلوی کی زیادہ تر نظمیں اُداسی اور درد کی کیفیت سے معمور ہیں نظم "درد ہوتا ہے" بھی ایسی ہی نظم ہے

جس میں شاعر درد کی کیفیت بیان کرتا ہے نعمتیں اور عیاشیاں انسان کا دل تو بہلا سکتی ہیں لیکن درد کا مداوا کوئی نہیں کر سکتا ہزار کوشش کے باوجود درد اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ شاعر انسانی زندگی کی تلخیوں کو نعمتوں اور عیاشیوں سے کم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اختتام پر نتیجہ لاحاصل ہی رہتا ہے۔

"مگرمچھ نے مجھے نگلا ہوا ہے" ایک علامتی پیرائے پر لکھی ہوئی نظم ہے۔ نظم میں مگرمچھ گندگی، پراگندگی اور آلائشوں سے لتھڑی ہوئی دنیا کی علامت ہے۔ نظم کا واحد متکلم کردار اپنی ماں سے مخاطب ہو کر دردناک پیرائے میں اپنی مشکلات کا تذکرہ کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد دنیا کی گندگی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ درحقیقت اس نظم میں انسان کی مجبوری اور بے بسی کو موضوع بنایا گیا ہے وہ حقیقی جنم کے لیے حقیقی زندگی سے کوشاں ہے تاکہ زندگی کا صحیح مفہوم سمجھ سکے۔ یہ نظم مگرمچھ کی علامت کے طور پر ہمارے سیاسی نظام کی آلودگیوں اور سماجی استحصال کے لیے بھی کاری وار ہے۔ نظم کے چند اختتامی مصرعے دیکھیے:

مگرمچھ نے مجھے نگلا ہوا ہے
اک جنینِ ناتواں ہوں
جس گھڑی رکھی گئی بنیاد میری
اس گھڑی سے
تیرگی کے پیٹ میں ہوں(۶)

اس نظم میں شاعر نے انسان اور اس کے آلودہ رویوں اور اعمال پر گرفت کی ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے حیوانی تمثیل سے کام لیا ہے۔ رفیق سندیلوی کی دیگر نظموں مثلاً "نالیوں میں بسیرا کرنے والا لال بیگ" مصنوعی طریقے سے پیدا ہونے والا چوزہ" اور " بھنبھیری نما تتلی " کے کردار انسان کی متنوع حالتوں اور جذبات و احساسات کی نمائندگی کرتے ہیں اور متنوع سوالات بھی اُٹھاتے ہیں۔ عصری زندگی اور اس کی معروضیت کی عکاسی رفیق سندیلوی کی نظموں کا اہم موضوع ہے۔ عہد حاضر کا فرد اپنے وجود کے قالب میں قید ہے ان کی نظم "ٹیلے سے قبرستان تک" عصری بے چارگی اور شخصی بے حسی کی تصویر ہے۔ رفیق سندیلوی کی نظم "اسی آگ میں" فکری اور فنی ہر دولحاظ سے عمدہ ہے۔ اپنی اس نظم میں وہ ناصحانہ انداز اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں ان کے نزدیک منزل کا حصول سخت جاں کوشی کا متقاضی ہے لیکن یہ مشقت کی آگ اپنے اندر سُرخروئی کا لطف بھی لیے ہوئے ہے۔

رفیق سندیلوی کی نظمیں تمثال کاری کی بہترین مثال ہیں۔ نظم "مٹی کا ایک ڈھیر" انسان کے فانی وجود پر لکھی ہوئی نظم ہے۔ نظم "حد بیابانی میں" شاعر کے تجربات وحدت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ نظم کی قرآت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کا تجربہ مختلف اجزا کی صورت میں نظم کے اسلوب میں در آیا ہے۔ نظم کے پہلے مصرعے سے ہی پڑھنے والا حیرانی میں مبتلا ہو جاتا ہے جب شاعر اپنے مدوجزر پر نظر ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں چاند، تارا اور گل پوش معشوق کے لیے استعارتاً ہیں حد بیابانی سے مراد جسم و دل کی ویرانی ہے لیکن جب محبوب اس بیابان میں داخل ہوتا ہے تو عاشق کے اندر روشنی پھیل جاتی ہے اُس کے اندر اودی کونپلیں، بنفشی پودا اور چناری پتے اُگ آتے ہیں۔ شاعر یہ سب مناظر اپنی چشم تخیل سے دیکھ رہا ہے جو باغ میں بلبل کے قدم دھرنے کے بعد محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ نظم کے آغاز میں شاعر اپنے محبوب سے

مخاطب ہو کر التجا کرتا ہے کہ میرے اندر کی دھوپ چھاؤں کو دیکھو لیکن شاعر جیسے ہی اپنے محبوب کا تصور کرتا ہے اسے ہر طرف چمک دمک اور روشنی نظر آتی ہے حتیٰ کہ دل کی روندی ہوئی مٹی بھی چمک دار ہو جاتی ہے۔

"نظم حدِ بیابانی پر غور کیجیے تو لرزتی موج تموج اور لہروں کی صورت میں موجود ہے۔ انوکھا لمس، چاند، تارا اور گل پوش کے استعاروں میں لپٹا ہوا ہے۔ کوئی دوسری تعبیر، شاعر کو خواب کی تعبیر کی صورت میں مل گئی ہے جب محبوب حد بیابانی میں قدم دھرتا ہے تو شاعر کا باطن روشن ہو جاتا ہے اور وہ روئیدگی کا تاج پہن لیتا ہے اور اپنے بدلے ہوئے جسم و دل کے ساتھ خواب و خیال کی دنیا میں وارد ہوتا ہے" ۷؎

خوب صورت استعاروں سے مزین اس نظم کا اختتام بھی لائق توجہ ہے:

آخر اک تارا
گھنی رات کے دروازے سے
در آتا ہے
آخر میں حد بیابانی میں
ایک گل پوش کو دھرنا تھا قدم
آ کے یہاں رہنا تھا
جھلملاتی ہوئی نقشیں شعاعوں کو
کسی وجد میں آئے ہوئے
دریا کی طرح بہنا تھا(۸)

یہاں تارا سے مراد محبوب ہے اور "آخر" سے شاعر کا مطلب ہے کہ اسے تاریکی سے فرار پانے کے لیے سخت کوشش کرنا پڑے گی جس کے بعد وہ رات کے بہیمانہ طلسم سے فرار حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ رات، تیرگی اور زنجیر گریہ جیسی مثالیں ان کی نظموں میں جابجا نظر آتی ہیں۔ ان کی نظموں میں رات تاریکی ازل سے وابستہ دکھائی دیتی ہے، رات جو تخلیق کا استعارہ بھی ہے جیسے نظم "حد بیابانی" میں ایک تارا بہت محنت اور تگ و دو کے بعد گھنی رات کے دروازے سے نمودار ہو جاتا ہے۔

یٰسین آفاقی رفیق سندیلوی کی نظموں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اُن کی نظمیں رات اور تاریکی دونوں ہی ازلی تاریکی سے وابسطہ ہیں۔ اسی لیے اُن کے ہاں اندھیری رات کی سرحدیں بساطِ عدم سے بھی مل جاتی ہیں۔ بہ ہر کیف وہ اپنے آپ کو رات کی لڑیوں میں خود کو جکڑا ہوا دیکھتا ہے جب کہ اس سے وہ آزادی بھی چاہتا ہے۔ اور اس کا دل رات کے اندھیروں سے باہر جانے کے لیے جوش مارتا ہے اور پھر وہ یوں کہتا ہے:

آخر اک تارا / گھنی رات کے دروازے سے / در آتا ہے (۹)

جسم و دل کی شکستگی اور خستہ حالی رفیق سندیلوی کی بیشتر نظموں کا موضوع ہے "میں نے دروازہ نہیں کھولا تھا" ایسی نظم ہے جس میں جسم اندھیرے سمندر میں گر چکا ہے۔ "سُرخ کمبل" میں بھی بدن کی خستہ سامانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نظم "سنا ہے خلق آئے گی" میں بھی گہرے زخموں کا ذکر ملتا ہے لیکن یہ زخم محبوب کے تصور سے پہلے کی تصویر ہیں کیوں کہ محبوب کا تصور یا دیدار تو ان تمام زخموں کے لیے مرہم کا کام کرتا ہے گویا خواب اپنی تعبیر حاصل کر لیتا ہے۔

رفیق سندیلوی زندگی کی حساسیت سے آگاہ ہیں اور زندگی میں پیش آنے والے حساس معاملات کو داستانوی انداز میں بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اس داستانوی رنگ پر مافوق الفطرت کہانی کا احساس جاگزیں ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ عام زندگی سے متعلق ہوتی ہے۔ اصل بات کو بھید بھری حقیقت کے طور پر پیش کرنا رفیق سندیلوی کا اختصاص ہے۔ وہ اپنی نظموں میں نادر اور خوب صورت تمثالیں پیش کرتے ہیں اور الفاظ کو مہارت سے برتتے ہیں کہ معنی کی کئی پرتیں پرت در پرت کھلتی چلی جاتی ہیں۔ وہ زندگی میں پیش آنے والے مختلف تجربات کو نظم کے قالب میں ڈھالنے پر قادر ہیں بعض واقعات بظاہر نہایت معمولی ہوتے ہیں لیکن رفیق سندیلوی انھیں اس طرح احساسات کے قالب میں سموتے ہیں کہ وہ خاصیت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ دلاور علی آزر لکھتے ہیں:

> "رفیق سندیلوی کی شعری فضا دیومالائی داستانوں اور الف لیلہ کہانیوں سے کہیں زیادہ پُر اسرار، پُر اثر اور تابناک ہے ان کے معنوی کردار ان کے لفظوں اور ان کے لفظ ان کے معنوی کرداروں کے لیے لازم وملزوم ٹھہرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنی تشکیلی جمالیات کے دم پر ایک جہان دگر کی تعمیر کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ "(۱۰)

ایک حساس شاعر کی خاصیت یہ کہ وہ انسانیت کے دُکھ کو محسوس کر سکتا ہے انسانیت کے دُکھ کے سامنے اُس کے اپنے دُکھ اہمیت کھو دیتے ہیں نتیجتاً وہ اپنے درد کو بُھلا کر انسانیت کے دُکھوں کا مداوا کرنے میں مگن ہو جاتا ہے عوام کے دُکھ اُس کے ذاتی دُکھوں پر غالب آجاتے ہیں رفیق سندیلوی بھی بلاشبہ انہی شعرا میں سے ہے۔ وہ دوسروں کے دُکھ کو اپنا دُکھ جانتا ہے اور اس دُکھ کے اظہار کے لیے کبھی استعارے کا سہارا لیتا ہے اور کبھی تمثال کا لیکن ہر طور میں دُکھ اور کرب کا احساس اُبھرتا ہے۔

رفیق سندیلوی بااختیار اقتداری قوت کی اس بے حسی کو بھی اپنی نظموں کو اپنی نظموں میں پیش کرتے ہیں مقتدرہ قورت کا فرض ہے کہ وہ عوامی بہبود کو پیش نظر رکھے لہٰذا اُسے اپنی عوام کی خوش حالی اور ترقی کو مقدم رکھنا چاہیے لیکن اگر یہ اقتداری قوت اپنے فرائض سے غفلت برتے اور عوام کی بہبود کو ملحوظ خاطر نہ رکھے تو ترقی اور خوش حالی کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ رفیق سندیلوی صاحبانِ اقتدار کی بے حسی کو خوب صورتی سے نظم کا جامہ پہناتے ہیں۔ نظم "عجب ملّاح ہے" میں شاعر نے اسی بے حسی کو موضوع بنایا ہے۔

صاحبِ اقتدار قوتیں ہوں یا مذہبی پیشوا، ان کا مقصد اپنے مفاد کا حصول ہے۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے بد ظن کرنا اور تقسیم در تقسیم ان کا بنیادی مقصد ہے۔ مال و دولت اکٹھا کرنے کی ہوس نے انسان کو انسان کا دشمن بنا دیا ہے۔ برصغیر کی تقسیم کا معاملہ ہی دیکھا جائے تو اس کا فائدہ انگریز سرکار نے اُٹھایا اور صدیوں اکٹھا رہنے والے لوگوں کو ایک دوسرے سے جُدا کر دیا۔ رفیق سندیلوی تقسیم کے اس عمل کو نہایت چابک دستی سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تقسیم کوئی کار آمد عمل نہیں ہے بلکہ اس تقسیم نے نفرت اور دُشمنی کو ہوا دے کر ہمیں ہمارے ماضی سے الگ کر دیا ہے جس سے ہم ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ رفیق سندیلوی کا کمال یہ ہے کہ وہ گزرے کل اور موجودہ کل کی حقیقی عکاسی کرنے پر قادر ہیں۔

ان کی نظم "برادہ اُڑ رہا ہے" سے چند مصرعے دیکھیے:

المختصر خوابوں کی دنیا ایک تھی

اک دوسرے کا حاضر و غائب تھے
ہم جڑواں تھے

کیاں بتاؤں
وقت نے جب تختہ آہن پہ رکھ کر
تیز رو آرا چلایا تھا
ہمیں ٹکڑوں میں کاٹا تھا
اُسی دن سے برادہ اُڑ رہا ہے

میرا حاضر میرے غائب سے جُدا ہے (۱۱)

گزرے کل اور موجودہ وقت کی عکاسی اس سے بہتر انداز میں نہیں کی جا سکتی۔ نظم کا ہر لفظ شاعر کی قلبی کیفیت کا ترجمان ہے۔ رفیق سندیلوی کی نظموں میں اساطیر، تلمیح، علامت، تمثیل، متھ، ویدک، کتھائیں، داستانیں اور قسم قسم کے قصے کہانیاں، اسلوب کو آراستہ کرتے ہیں۔ زبان کی ایسی بو قلمونی کی بدولت ان کے ہاں "تخلیقی اسطور" دیکھا جا سکتا ہے۔ نظم "ایک زنجیر گریہ میرے ساتھ تھی" بیانیہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ نظم کا واحد متکلم کردار اس نظم میں پُر اسرار کتھا بیان کرتا ہے۔ نظم کو بغور پڑھنے پر محسوس ہوتا ہے کہ اس داستان میں کڑی در کڑی قصے آتے ہیں پہلا قصہ نیند اور رات کا ہے۔

رات اس نظم میں بھی پُر اسراریت لیے ہوئے ہے جو ڈائن بھی ہو سکتی ہے اور دیوی بھی۔ نیند اور رات نظم کے پہلے حصے میں بطور علامت استعمال ہوئے ہیں۔ نیند سے مراد وہ خوابِ غفلت جس میں پورا معاشرہ کھویا ہوا ہے اور رات غیر فعالی کے لیے بطور علامت سامنے آتی ہے۔ نظم میں اس موقع پر شاعر اس حقیقت کا معترف دکھائی دیتا ہے کہ اس کی تقدیر میں تیر اور گھات تھے۔ تیر اور گھات سے مراد سماجی جکڑ بندیاں بھی ہو سکتی ہیں جن میں راوی قید ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ مسلسل کسی کی نگاہ میں ہے اور یہ نگاہ خالقِ حقیقی کی بھی ہو سکتی ہے جو ہر وقت ہر لمحہ انسان پر نظر رکھے ہوئے ہے اور اُس کے نامہ اعمال کی جانچ پرکھ کرتا رہتا ہے۔ شاعر نہیں جانتا کہ تیرگی کے ظلمات میں اشارہ کرنے والا کون تھا لیکن وہ معترف ہے کہ اس ایک اشارے کے بعد شاعر کے دل کی حالت میں یکسر تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئیں اور فقط اک زنجیر گریہ اُس کے ساتھ رہ گئی۔ شاعر نوید سناتا ہے کہ وہ پرندہ بن گیا ہے اور اُس کی پرواز سے گھنا سایہ وجود میں آیا جب کہ سائبان اُڑن طشتری بن گیا ہے۔

ان اساطیر کی توجیحات پر فیاض احمد وجیہہ رقم طراز ہیں:

> "اسلامی تعلیمات میں پرندہ کی تعبیر انسان کے اعمال کے طور پر کی گئی ہے۔۔۔۔ راوی کا پرندہ بننا اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا ایک نامہ اعمال بھی ہے اور گھنا سایہ کچھ اور نہیں انسان کے اعمال ہیں۔۔۔ نظم کی ساخت کو اس بات پر اصرار ہے کہ اُڑن طشتری سائبان بن گئی ہے۔۔۔۔ جس سیاق میں یہ نظم کھلی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی طلسماتی شے نہیں معجزہ ہے"(۱۲)

نظم کا اختتام اُسی دائرہ نما خول میں ہوتا ہے جس سے آغاز ہوا تھا۔ بساطِ عدم میں متکلم کا تنہا ہونا پھر سے اُسی ماحول

کی طرف لوٹنے کا اشارہ ہے۔ انسان تنہا ہی دنیا میں آتا ہے اور تنہا ہی عدم کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ بہ طور شاعر کسی مخصوص نظریے یا رجحان سے وابستہ نہیں حال آں کہ ان کے خیالات ترقی پسندوں کے قریب تر ہیں لیکن وہ با قاعدہ طور پر ترقی پسند شاعر نہیں ہیں۔ وہ فلسفہ وجودیت سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں لیکن وہ اس فلسفے کے منفی اطوار کو قریب نہیں آنے دیتے۔

رفیق سندیلوی کی نظموں میں مروجہ لسانی سانچوں سے لے کر اچھوتے موضوعات تک، موضوع اور متن میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ وہ داستانوی طرز پر نظمیں لکھتے ہیں جن کا متھ اور تاریخ سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں نئے نئے امیجز سے خیال کو آگے بڑھاتے ہیں نامانوس ماحول اور اجنبی واردات سے متعارف کروانے کی بنا پر نظم کو کمال مہارت سے آگے بڑھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کی نظم کے سحر سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی نظم کا اختصاص یہ ہے کہ احساسات سے عاری دلوں پر اثر کر کے تاثیر کا لوہا منوالیتی ہے۔ کوئی حساس فرد جو زندگی کے اسرار ورموز سے واقفیت کا تمنائی ہو، ان کی شاعری سے یہ بھید پا سکتا ہے۔ رفیق سندیلوی کی نظموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر نظم میں منفرد تمثالیں، قافیے، تشبیہات، استعارے اور علامتیں ترتیب دیتے ہیں جو ان کی جدت فکر سے ہم آہنگ ہو کر ابلاغ کا موثر ذریعہ بن جاتی ہیں لہٰذا رفیق سندیلوی کی نظمیں جدید ہوتے ہوئے بھی اپنی تہذیب سے منسلک دکھائی دیتی ہیں۔ دلاور علی آزر، رفیق سندیلوی کی نظم کے فنی محاسن یوں بیان کرتے ہیں:

> "رفیق سندیلوی ان شعرا میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے بے پناہ تخلیقی وفور سے عصری شعور کو بدلنے کی جرات مندانہ سرشاری سے اپنا اسلوبیاتی خمیر اُٹھایا ہے رفیق سندیلوی کی شعری لغت اور تخلیقی کوڈز، انفرادیت کی ایسی شاعرانہ مثال قائم کرتے ہیں جو اردو شاعری میں کم از کم میں نے ان سے پہلے نہیں دیکھی موجودہ شعری منظر نامے میں ان کی تخلیقات کو بغیر کسی مشقت کے پہچانا اور الگ کیا جا سکتا ہے وہ اس لیے ان کے استعاروں کا تخلیقی تجلّی اتنا بھرپور اور متاثر کن ہے کہ کسی سطح کا قاری بھی ان کی شعری جمالیات سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔" (۱۳)

رفیق سندیلوی کی نظمیں اپنے موضوعات و مسائل کی بدولت گہرا تاثر چھوڑتی ہیں اُن کی نظموں کی حسیت ہر خاص و عام کو گرفت میں لے لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ قاری انھیں بار بار پڑھنا چاہتا ہے۔ اُن کی چند نظموں کو منتخب قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اُن کی ہر نظم اسلوب اور فکر کی بدولت چنیدہ اور منتخب محسوس ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا شخص، (لاہور: کاغذی پیرہن، ۲۰۰۷ء)، ۱۲۔

(۲) ایضاً، ۲۴۔

(۳) ستیہ پال آنند، رفیق سندیلوی کی نظم ایک مطالعہ، مشمولہ: غار میں بیٹھا شخص از رفیق سندیلوی، ۲۲۲۔

(۴) رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا شخص، ۱۸۷۔

(۵) فیاض احمد وجیہہ، "رفیق سندیلوی کی نظمیں اور معنی کا اسطورہ"، مشمولہ ششماہی ریسرچ جرنل: تناظر، ادارت: ایم خالد فیاض، (گجرات: شمارہ نمبر ۱، جنوری تا جون ۲۰۱۲ء)، ۲۷۱۔

(۶) ایضاً، ۱۷۸۔

(۷) یٰسین آفاقی، غار میں بیٹھا شخص، مشمولہ: نقاط، ادارت: قاسم یعقوب، شمارہ ۱۲، (فیصل آباد: مطبوعات: جون ۲۰۱۴ء)، ۳۱۹۔

(۸) رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا شخص، ۱۹۲۔

(۹) یٰسین آفاقی، "غار میں بیٹا شخص"، مشمولہ: نقاط، (فیصل آباد: مطبوعات: جون ۲۰۱۴ء)، ۳۲۱۔

(۱۰) دلاور علی آزر، گلدان میں آنکھیں از رفیق سندیلوی، (کوئٹہ: گوہر پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)، پس ورق۔

(۱۱) رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا شخص، ۱۹۱۔

(۱۲) فیاض احمد وجیہہ، رفیق سندیلوی کی نظمیں اور معنی کا اسطورہ، مشمولہ: تناظر، (جنوری تا جون ۲۰۱۲ء)، ۲۶۹۔

(۱۳) دلاور علی آزر، گلدان میں آنکھیں از رفیق سندیلوی، پس ورق۔

References

(1) Rafiq Sandelvi, *Ghaar Mein Betha Shaks*, (Lahore: Kaghazi Pairhan, 2007), p12

(2) ibid, p24.

(3) Sattya Paal Anand, Rafiq Sandelvi Ki Nazm, Ek Mutaala, (incl.) *Ghaar Mein Betha Shaks az Rafiq Sandelvi*, p222.

(4) Rafiq Sandelvi, *Ghaar Mein Betha Shaks*, p187.

(5) Fayaaz Ahmed Wajeeh, Rafiq Sandelvi Ki Nazmein aour Maani Ka Astoora, (incl.) *Tanazur*, Idarat, M. Khalid Fayyaz, Gujrat, Shumara 1, Jan – June, 2012, p271.

(6) ibid p178.

(7) Yaseen Afaaqi, Ghaar Mein Betha Shaks, (incl.) *Naqaat*, Idarat: Qasim Yaqoob,Shumara 12, Faisalabad: Matbuaat June 2014, p319.

(8) Rafiq Sandelvi, *Ghaar Mein Betha Shaks*, p192.

(9) Yaseen Afaaqi, Dr. Ghaar Mein Betha Shaks, (incl.) *Naqaat*, June, 2014, p321.

(10) Dilawar Ali Aazar, *Guldan Mein Ankhien,az Rafiq Sandelvi*, (Quetta: Gohar Publication, 2021), p back title.

(11) Rafiq Sandelvi, *Ghaar Mein Betha Shaks*, p191.

(12) Fayyaz Ahmad Wajeeh, Rafiq Sandelvi Ki Nazmein aur Maani ka Astoora, (incl.) *Tanazur*, Jan – June 2012, p269.

(13) Dilawar Ali Aazar, *Guldan Mein Ankhien az Rafiq Sandelvi*, (Quetta: Gohar Publication, 2021), p back title.

❖❖❖